

عورت، عورت کی دشمن؟

عبدہ فرجین °

معاشرے کی حقیقی ترقی، عورت کی توقیر اور خوش حالی کے بغیر ممکن نہیں ہے، مگر اس حقیقت کے باوجود افسوس کا مقام ہے کہ دنیا بھر میں عورت آج بھی اپنے حقوق کے لیے جدوجہد کرتی نظر آتی ہے۔ عورتوں کے حقوق کے حوالے سے اوقات کوئی ملک بھی رول ماؤنٹ نہیں حالاں کہ دنیا کے سامنے آنے والے تمام چارڑز میں یہ فضیلت اسلام ہی کو حاصل ہے کہ اس نے عورت کو جو مقام و مرتبہ عطا کیا ہے، وہ آج کا کوئی اجتماعی نظام نہیں دے سکتا۔ تمہارا، اس کے باوجود یہ ایک بہت بڑا المیہ ہے کہ پاکستان کے اسلامی جمہوریہ ہونے کے باوجود یہاں پر بھی عورت اپنے بنیادی اسلامی و سماجی حقوق سے محروم ہے۔ مسائل و مشکلات کی اس دلدل سے اس کو باہر رکالنا یقینی طور پر ایک قومی ذمہ داری ہے، مگر عورت کے بہت سے مسائل اور مصائب ایسے ہیں، جن کا تعلق خود عورت ہی سے ہے، اور وہ اس کے پیدا کردہ ہیں۔ ایسے بے شمار مسائل کا تعلق معاشرے کے مردوں سے نہیں بلکہ خود خواتین ہی سے ہے۔ لہذا، اس کی اصلاح تو بہر حال خود عورت ہی کو کرنی ہے۔ اور اسے اس دعوے کی تردید کرنی ہے کہ عورت، عورت کی سب سے بڑی دشمن ہے۔ آئیے دیکھتے ہیں کہ حقیقت کیا ہے اور اس کا حل کیا ہے؟

عورت سے عورت کی پرخاش کا یہ مسئلہ ہمیں صرف اداروں، تنظیموں میں ہی نہیں بلکہ گھروں اور خاندانوں میں بھی کثرت سے نظر آتا ہے۔ عورت معاشرے کی عمارت کا کلیدی پتھر ہے اور یہ ایک حقیقت ہے کہ عورت ہر حیثیت میں خواہ مال بکن، بیوی، بیٹی، کارمند یا ملازم (employer) یا آجر اور کارفرما (employee)، ساتھی، ہر حیثیت میں اس کا کردار بہت زیادہ



اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ جہاں اس معاشرے میں اس کے اس مؤثر کردار کی ادا گی میں بے شمار رکاوٹیں حائل ہیں، وہاں اس کے اتحاد کے پارہ پارہ ہونے کا نتیجہ بھی اس کو بہت پیچھے دھکیل دینے کا سبب ہے۔ اکثر خواتین مختلف ادaroں میں، خاندانوں میں اپنا بیش تر وقت اس باہمی رقبت، رکھشی اور کھینچاتانی میں صاف کر دیتی ہیں۔ تغیری کاموں کے بجائے تحریکی سرگرمیوں میں لگا دیتی ہیں۔ ایک تحقیق کے مطابق ۹۵ فی صد خواتین روایتی 'شہد کی ملکہ' کی نشانہ (کوئی نبی سندروم) ہوتی ہیں، یعنی افسرخواتین اپنی نوجوان خواتین کا رکنان ہی سے عدم تحفظ (Insecurity) محسوس کرتی ہیں۔ پروفیسر ہیری کو پرنے اس حوالے سے کہا کہ اس 'نشانہ اجتماعی' (سندروم) کی وجہ سے وہ اپنے جو نیز کی سرپرستی نہیں کر سکتیں۔ ایک تحقیق نے یہ بھی بتایا ہے کہ جو عورتیں مردانہ برتری کے ماحول میں جدوجہد کرتے ہوئے ترقی کرتی ہیں، وہ اپنی ماتحت نوجوان خواتین کے لیے 'شہد کی ملکہ' کی عتاب کا شکار ہوتی ہیں۔ اپنی جو نیز کے لیے ان کے اندر ہمدردی کا جذبہ کم ہوتا ہے۔ ان کا کہنا ہوتا ہے کہ جب ہم اتنی مشکلیں اٹھا کر کام کر سکتے ہیں تو یہ کیوں نہیں کر سکتیں۔ (دراصل وہ اپنے مااضی کے حالات کا بدلہ اپنی جو نیز سے لیتی ہیں، اور بسا اوقات یہ صورت حال بالکل اسی طرح ساس بہو یاد یواری اور جیٹھانی کے معاملے میں بھی نظر آتی ہے۔)

معروف ادبیہ کیلی ویلن نے

The Twisted Sisterhood: Unraveling the Dark Legacy of Female Friendships نامی ایک دل چسپ کتاب لکھی ہے، جس میں وہ تین ہزار سے زائد عورتوں سے کیے گئے ایک سروے کے بارے میں بتاتی ہے کہ：“۹۰ فی صد سے زائد خواتین میں دوسری خواتین کے بارے میں منفی جذبات پائے گئے ہیں”， کیلی ویلن مزید بتاتی ہیں کہ：“۵۰ سوالات پر مشتمل ایک سروے میں ۸۵ فی صد عورتوں نے کہا کہ ہم نے اپنی زندگی میں دوسری عورتوں ہی کے ہاتھوں بہت سی مشکلات اور پریشانیوں کا سامنا کیا ہے۔” گیٹھ ہاپکن کی تحقیق یہ ہے کہ اکثر سینئر خواتین میں یہ خوف پایا جاتا ہے کہ وہ وقت کے ساتھ ساتھ غیر اہم ہو جائیں گی۔ شاید یہی خوف ان کے منفی رویے کی وجہ ہوتا ہے۔ ہر چند کہ اس نوع کے مسائل مردوں کے درمیان بھی پائے جاتے ہیں، لیکن یہ خواتین میں بہت زیادہ موجود ہیں۔ کچھ نہ کچھ منفی جذبات انسانی نفیسات کا حصہ ہیں اور بنیادی طور پر انسانی سرشت میں



پائے جاتے ہیں۔ بعض جذبات و خصوصیات صنفی (Gender) بنیاد پر بھی کم یا زیادہ ہو سکتی ہیں، مگر ان کو تراش خراش کر درست سمت دینے اور شرک خیر کے رخ پر موڑنے کا کام گھر، مذہب، معاشرتی اقدار اور نظام تعلیم و تربیت کرتا ہے۔ بد قسمتی سے آج کے معاشرے میں جیسے جیسے مادیت پرستی کے رجحانات میں اضافہ ہو رہا ہے، ویسے ویسے اخلاقی بلندی اور اعلیٰ طرفی کا دامن بھی ہاتھ سے چھوٹا جا رہا ہے اور افراد اور معاشرے سے وہ اخلاقی صفات ختم ہوتی جا رہی ہیں۔

- اس اخلاقی زوال کی بنیادی وجہ تو ہمارے نظام تعلیم سے تربیت کے غصر کا خاتمه ہے، جس کا مرکزِ نگاہ اب سیرت سازی کے بجائے صرف پیسہ کمانا رہ گیا ہے اور اس نے معاشرے کے ہر طبقے کو ممتاز کیا ہے اور مرد و عورت سبھی اس کا شکار ہیں۔ چون کہ بد قسمتی سے عورت کے لیے نہ صرف آگے بڑھنے کے موقعے نسبتاً کم ہوتے ہیں، بلکہ اس کے کام کو مطلوبہ پذیرائی بھی نہیں ملتی، شاید ان میں اس لیے عدم تحفظ کا جذبہ زیادہ نظر آتا ہے۔ عورت سے عورت کی اس انہدامی فطرت کی وجہ یہ ہے کہ شاید ہماری نظروں سے بہت سے حقائق اوحصی ہو جاتے ہیں۔ مثلاً جو گروہ اندر سے کمزور ہو، وہ بیرونی طاقت سے کیوں کر مقابلہ کر سکتا ہے۔ اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ عام طور پر گھروں کے اندر پائی جانے والی کشیدگی گھر کی عورتوں کی وجہ سے ہی ہوتی ہے۔ گھر بیوی سیاست میں قیادت کی باغ ڈور انھی کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ بلاشبہ اداروں اور تنظیموں میں پیشہ ورانہ سیاست تو مردوں کے درمیان بھی بہت ہوتی ہے لیکن عموماً خواتین کے درمیان یہ چیقش اور پیشہ ورانہ حسد کاری (professional jealousy) اتنی زیادہ پائی جاتی ہے کہ بسا اوقات وہاں کا نظام ہی چلانا مشکل ہو جاتا ہے۔

نهایت افسوس کے ساتھ اس بات کا اقرار کرنے میں کوئی تردید نہیں ہونا چاہیے کہ اخلاقی بہتری کے لیے تربیت کا جو کام ہمارے نظام تعلیم کو کرنا چاہیے تھا، وہ اس نے تو نہیں کیا، مگر سچی بات ہے کہ ہماری مساجد بھی وہ کردار ادا نہ کر سکیں جو کبھی ہمارا درشتھا، حتیٰ کہ گھروں سے بھی اخلاقی بلندی کا اور شہاس طرح منتقل نہیں ہو سکا، جس طرح ہونا چاہیے تھا، جب کہ اس اخلاقی بلندی کا درس ہمیں صرف اسلام ہی نہیں دیگر الہامی مذاہب بھی دیتے ہیں۔

اسلامی اخلاقیات تو انسانی رویوں کے ہر پہلو کا احاطہ کرتی ہیں اور مسلمان ہونے کے

ناتے تو ہمیں ان الہامی تعلیمات پر لقین ہونا چاہیے، جو اس بارے میں ہمارا دین ہمیں بتاتا ہے۔ مثال کے طور پر اگر کسی کو اس بات کا لقین ہو کہ روزی دینے والا صرف اللہ تعالیٰ کی ذاتِ بارکات ہے اور اس نے یہ وعدہ کیا ہے کہ تم اگر مجھ پر ایسا توکل کرو جیسا توکل کرنے کا حق ہے تو میں تم کو ایسے روزی دوں گا جیسے ہر پرندے کو دیتا ہوں، تو یہ ممکن نہیں کہ ہم کسی انسان سے عدم تحفظ کا شکار ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے: تمہاری قسمت میں جو رزق لکھا جا چکا ہے اسے کوئی روک نہیں سکتا اور تمہاری عزت اور ذلت بھی میرے ہاتھ میں ہے تو کیوں کرکسی سے خوف کھایا جائے؟ کیوں کسی کو دبا کر رکھنے میں اپنی شان اور عزت کی ضمانت سمجھا جائے؟ اگر کسی کو یہ معلوم ہو کہ حسد نہ صرف دنیا ہی میں انسان کی جڑیں کاٹتا ہے بلکہ یہ بھی جاننا چاہیے کہ یہ آخرت میں بھی اُسے کنگلا کر دے گا، تو وہ اس جذبے کو اپنے قریب بھی نہ پھٹکنے دے گا۔

● اگر ہم نے کبھی اپنے بڑوں سے اور اپنے سینئر ز سے یا اپنے نگرانوں کے ہاتھوں کبھی کوئی مشکل وقت برداشت کیا ہے، تو اس میں ہمارے بے چارے جو نیز ز کا کوئی قصور نہیں ہے کہ ہم ان کا بلدہ اپنے جو نیز ز سے لیں، یا اگر کسی نے اپنی ساس یا شوہر کی زیادتی برداشت کی ہے، تو اس میں ان کے گھر آنے والی بہو کا تو کوئی قصور نہیں کہ اس تینگی کا حساب اس سے برابر کیا جائے۔ ایسا غیر منصفانہ قدم اٹھانے سے سوائے ماحول خراب ہونے اور کشیدگی میں اضافہ کرنے کے کچھ حاصل نہیں ہوگا، جب کہ اس کے برعکس رو یہ اختیار کر کے ہم نہ صرف اپنے ساتھیوں سے عزت و احترام پائیں گے، بلکہ خود ہنی طور پر آسودہ ہوں گے۔ نتیجہ یہ نکلے گا کہ ہمارے گھروں اور دفاتر کا ماحول بھی خوش گوار ہوگا۔ ایسے ماحول میں پروان چڑھنے والے افراد ہی معاشرے کی تعمیر کا ذریعہ بن سکتے ہیں، کیوں کہ کسی بھی طرح کا انتشار، خواہ فکری ہو یا عملی، ہمیشہ ادراوں، تنظیموں، خاندانوں حتیٰ کہ افراد کو آگے بڑھنے سے روکتا ہے اور ترقی میں سدِ راہ بن جاتا ہے۔

● عموماً دیکھا گیا ہے کہ اگر لوگ کسی سے عدم تحفظ کا شکار ہوتے ہیں تو اس کی خامیوں کو دوسروں کے سامنے نمایاں کر کے اس کی پوزیشن خراب کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ حالانکہ رسول کریمؐ نے فرمایا کہ: ”جو لوگ اپنے مسلمان بھائی کے عیب کے پیچھے پڑیں گے تو اللہ ان کے عیب کے پیچھے پڑ جائے گا اور جس شخص کے پیچھے اللہ پڑ جائے گا اسے رسوا کر ڈالے گا۔ اگرچہ وہ



اپنے گھر کے اندر ہو، (ترمذی)۔ یہ بات ذہن میں ہوتا وہ کیسے دوسروں کی عیب جوئی کر سکتا ہے؟
 • ہم اگر کسی کو کچھ سکھا دیں گے یا بتا دیں گے تو ہمارا علم ہرگز کم نہیں ہو گا، بلکہ اس میں اضافہ ہو گا۔ اس سے سکھانے والے کے رتبے میں کمی نہیں آتی، بلکہ اضافہ ہی ہوتا ہے۔ اگر ہم کسی کے لیے آسانی پیدا کریں گے تو ہماری ہی عزت میں اضافہ ہو گا اور اس سے معاشرے میں خیر پھیلے گا۔ ایسا روایہ اختیار کر کے شہد کی ملکہ مکھی کے عتاب، کیسی فطرت سے نجات ملے گی۔

• اسی طرح اپنے سے زیادہ عمر، رتبے اور علم والوں کو عزت دینے سے ہم چھوٹے نہیں ہو جاتے بلکہ ہماری عزت میں اضافہ ہوتا ہے۔ اگر ہم کسی سے کچھ سمجھتے ہیں یا سیکھ سکتے ہیں تو اس کو تسلیم (acknowledge) کرنے سے ہماری بڑائی میں اضافہ ہوتا ہے۔ اس سے گھروں اور اداروں کا ماحول بھی بہتر ہوتا ہے، جو کہ نہ صرف مجموعی طور پر گھر، اداروں اور معاشرے کے لیے بہتر ہے بلکہ خود عورت کے اپنے لیے بھی بہت اچھا ہے اور اس کا وقت اس غیر تعمیری سی اندرونی سیاست میں ضائع ہونے کے بجائے تعمیری کاموں میں صرف ہوتا ہے۔ تخلیقی صلاحیتیں پروان چڑھتی ہیں اور گھروں اور اداروں میں پر سکون ماحول و ذہنی آسودگی میسر ہوتی ہے۔

متنزکہ بلا اخلاقی خوبیوں کے علاوہ بھی بہت سے محاسن اخلاقی ہمیں مذہبی تعلیمات اور تاریخی حوالوں میں ملتے ہیں، جو اگرچہ مردوں اور عورتوں کے لیے یکساں ضروری ہیں۔ لیکن یہ بات کہ عورت عورت کی دشمنی سے کیسے رکے؟ تو اس کا طریقہ یہی ہے کہ ان اخلاقیات کو اپنانے کی کوشش کی جائے اور اپنے اس تلقین کو بڑھایا جائے کہ سب کچھ دینے والا اللہ ہے اور اس چھوٹی سی زندگی میں ہم جو بوئیں گے، وہ نہ صرف ہم آخرت میں کاٹیں گے بلکہ دنیا میں بھی ہم اور ہماری آئندہ نسلیں اس فضل کو کاٹیں گی۔ دراصل عورت ہی وہ کردار ہے جو معاشرے اور نسلوں کو بنانے سنوارنے کا کام کرتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ مردانہ برتری کے معاشرے کا ہر مرد بھی کسی عورت کی گود ہی سے تربیت پا کر جوان ہوا ہوتا ہے۔ ماں کی گود کو بچے کا پہلا مدرسہ کہا جاتا ہے۔ نپولین نے بھی کہا تھا کہ: ”تم مجھے اچھی مانیں دو، تو میں تمھیں اچھی قوم دوں گا“۔ اگر عورت ہی اخلاقی معیار سے گر جائے تو نہ صرف معاشرہ انتشار اور زوال کا شکار ہو گا، بلکہ اعلیٰ اخلاقی صفات

سے عاری نسلیں جنم لیں گی۔



عورت اپنے اس مقام کا ادراک کرتے ہوئے کم از کم اپنی ذات میں، جہاں جہاں وہ موجود ہے، اس عورت سے عورت کی دشمنی، جیسی بیماری کو ختم کرنے کا تھیہ کرتے تو ہم دیکھیں گے کہ طبقہ نسوں کے ۵۰ فی صد مسائل خود بخود حل ہو جائیں گے۔ اگر خواتین اپنے اندر یہ ظرف پیدا کر لیں کہ ایک دوسرے کو اپنے مدقابل کے طور پر دیکھنے کے بجائے، ایک دوسرے کو اپنے مدگار کے طور پر دیکھیں، اور ایک دوسرے کے بارے میں شک میں پڑنے کے بجائے ایک دوسرے کو سہارا دیں، تو وہ ایک ناقابل شکست اکامی ہوں گی۔ اگر آج کی مائیں یہ عزم کر لیں اور یہ طے کر لیں کہ اپنی گود میں پرورش پانے والے ہر بچے کو اپنی استعداد کے مطابق بنیادی اخلاقیات سکھانے میں پوری قوت لگادیں گی۔ پھر یہ کہ اپنے ہر بیٹے کو عورت کی عزت اور اس کے حقوق کے تحفظ کی تعلیم دیں گی۔ ماں اپنے بیٹے کو بیوی کے حقوق کی ادائیگی کا درس دے گی اور بیوی ماں کے حقوق کی یادداہی کرائے گی۔ اسی طرح اداروں میں بھی اگر اپنی ذات سے اوپر ہو کر اپنی ساتھی کے لیے اخلاقی سہارا بننے کا سبق دیا جائے گا تو ہمارے گھر امن و سکون کا گہوارہ ہوں گے۔ دفاتر میں ذہنی تھکاوٹ کے بجائے خوشی اور سکون میسر ہو گا۔ عورت کی گود میں پرورش پانے والا ہر بچہ آنے والی کل میں وہ فرد ثابت ہو گا جسے اپنے فرائض اور دوسروں کے حقوق کا بخوبی ادراک ہو گا۔ ہر مرد عورت کو دباؤنے میں اپنی برتری سمجھنے کے بجائے اس کو عزت و احترام دینے، سہولت اور تحفظ دینے کو اپنا بنیادی فریضہ سمجھے گا۔
